فلک مشتری

(جاوید نامہ کے ایک جزو کا ترجمہ)

رفیق خاور

حلاج، غالب اور قرۃ العین طاہرہ جن کی ارواح جلیلہ نشیمن بہشت کی طرف مائل نہ ہوئیں اور گردش جاوداں کی دلدادہ رہیں۔

میں تصدق اس دل دیوانہ کے
جو مجھے ہر دم نیا ویرانہ دے ویرانہ دے
جب کسی منزل پہ پہنچوں یہ کہے ! اٹھا ورجل
مرد خود رس کی نظر میں بحر بھی پایاب جل
چونکہ آیات خداوندی ہیں بے حد و شمار
اے مسافر راہ تیری راہ نا پیدا کنار
کار حکمت دیکھنا گھٹتے چلے جانے کا نام
کار عرفان دیکھتے جانا، بڑھے جانے کا نام
تولنا اس کا ہے سرھون ترازوئے ہنر
تولنا اس کا ہے سمنرن ترازوئے نظر
ہاتھ میں لاتا ہے وہ اجزائے آب و خاک کو
اور وہ قبضے میں لے آتا ہے جان پاک کو
اس کی نظریں ہیں تجلی کی ہمیشہ گھات میں
یہ تجلی کو کرے تحلیل اپنی ذات میں
بے قرار جستجوئے جلوہ ہائے بے بہ بے
میں کروں افلاک کو طے نالہ زن مانند نے
یہ سبھی اس بندۂ پاکیزہ کا فیضان ہے
جس کے سوز دل سے آتش ناک میری جان ہے

هم دو بینائے وجود اپنا یہ تنہا کارواں
آں پہنچا تا کنار مشتری گردش کناں
یہ جہاں کہیئے جیسے اک خاکدان ناتمام
چاند ھی چاند اس کے گردا گرد سرگرم خرام
بادۂ گلگوں سے خالی اس کا بلوریں سبو
خاک کے پہلو سے نا رستہ نہال آرزو
نیم شب چاندوں کی ان تابانیوں سے نیم روز
نے کوئی خنکی ھوا میں اور نہ بر میں کوئی سوز
آسماں کی سمت جب میں نے ذرا ڈالی نظر
اس کے سیارے کو پایا خود سے نزدیک اس قدر
ھیبت نظارہ سے برھم ھوئے ھوش و حواس
سب دگرگوں ھو گئے دیر اور زود اور دور پاس
سامنے آئیں نظر تین ایسی روحیں پاک باز
تاب و تب سینوں کی جن کے آتشیں گیتی گداز
زیب تن ھر ایک کے پوشاک ھائے لالہ گوں
وہ فروزاں چہرے تاب افزودۂ سوز دروں
ھیں ازل سے پرتب و تاب ان کی روحیں جلوہ مست
اپنے نغموں کی شراب تند سے مست الست
شوق بے پروا نہیں دیکھا تری آنکھوں نے دیکھ
یہ بے زور اس کا نہیں دیکھا تری آنکھوں نے دیکھ
غالب و حلاج ان کے ساتھ خاتون عجم
سب کے سب آتش منش شور افگن جان حرم
بخشتی ھیں یہ نوائیں روح کو شان ثبات
شعلہ زن ان کی حرارت اندروں کا ثنات

نوائے حلاج

کر اپنی خاک سے حاصل جو آگ عنقا ھے
تجلی اور کہاں درخور تقاضا ھے

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved ©2002-2006

نظر ہے اپنے پہ ایسی گڑی کہ جلوۂ دوست
جہاں جہاں ہے یہ کب فرصت تماشا ہے
ہے ملک جم سے فروں تر نظیری کا یہ سخن
نہ کام آئے جو رن میں وہ آدمی کیا ہے
ہزار عقل فسوں پیشہ لشکر آرا ہو
غمیں نہ ہو کہ کہاں عشق بھی اکیلا ہے
تو رہ شناس نہیں اور مقام سے آگاہ
ہے کوئی نغمہ جو بیرون ساز سلمیٰ ہے
کرے تو بات نہنگوں کی دارو گیر کی کر
نہ کہہ سفینہ مرا ناشناس دریا ہے
میں ایسے شخص کی ہمت پہ ہوں نثار کہ جو
نہ جائے واں کہ جہاں دشت ہے نہ صحرا ہے
شریک حلقۂ رندان بادہ پیما ہو
اک ایسے پیر کی بیعت خطا جو گونگا ہے

نوائے غالب

اٹھو کہ قاعدہ آسماں پلٹ ڈالیں
قضا بہ گردش رطل گراں پلٹ ڈالیں
نہ گیرو دار سے ہم محتسب کی خوف کریں
جو آئے شاہ سے بھی ارمغاں پلٹ ڈالیں
کلیم بھی ہو اگر ہم زباں نہ بات کریں
خلیل بھی ہو اگر مہرباں پلٹ ڈالیں
بہ جنگ باج ستانان شاخاری کو
تہی سبد زدر گلستاں پلٹ ڈالیں
بہ صلح بال فشانان صبحگاہی کو
ز شاخسار سوئے آشیاں پلٹ ڈالیں
ہمیں ہے نسبت حیدر تو پھر عجب کیا ہے
کہ آفتاب سوئے خاوراں پلٹ ڈالیں

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

نوائے طاہرہ

" تجھ پہ اگر پڑے نظر چہرہ بہ چہرہ رو برو
شرح غم نہاں کروں نکتہ بہ نکتہ مو بمو
دید جمال کے لئے مثل صبا گری پھروں
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو
تیرے فراق میں رواں آنکھوں کی راہ خون دل
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بجو
اپنی قبائے جان پہ یوں شوق ترا سجا لیا
رشتہ بہ رشتہ نخ بہ نخ تار بہ تار پو بہ پو

طاہرہ دل میں گھوم آئی کچھ بھی نہ پایا جز ترے
صفحہ بہ صفحہ لا بہ لا پردہ بہ پردہ تو بہ تو "

یہ فسون سوز و ساز عاشقان درد مند
شرر ناز سے بھڑک اٹھا مرا تن بند بند
مشکلیں بھولی ہوئی بسری ہوئی پھر جاگ اٹھیں
فکر و اندیشہ پہ میرے پھر شبخون زن ہوئیں
قلزم اندیشہ تھا میرا سراپا اضطراب
شورش طوفان وحشت خیز سے ساحل خراب
بولے رومی دیکھ اپنا وقت مت کر رائیگاں
تو جو خواہاں ہو کھلے ہر عقدۂ راز نہاں

تابکے افکار پنہانی کے زندان میں اسیر
یہ قیامت غلغلہ افگن ہو بیرون ضمیر

* * *

زندہ رود اپنی مشکلات ان ارواح کے سامنے پیش کرتا ہے

ہیں مقام مومنان سے دور کیوں؟
جنت الفردوس سے مہجور کیوں؟

حلاج

جن کے دل آزاد ھیں رمز آشنائے خوب و زشت
ان کی روحیں اور قید چار دیوار بہشت
جنت ملا خور و نوش و سکون، خواب و سرود
جنت عاشق دل و جاں سے تماشائے وجود
حشر ملایاں سراسر شق قبر و بانگ صور
عشق شورش آفریں فی نفسہ صبح نشور
علم کی بیم و رجا کے اسطوانوں پر اساس
عشق کو امید کی پروا نہ تشویش ہراس
علم کو ترساں کرے رعب جلال کائنات
عشق غرق دلبری ھائے جمال کائنات
رفتہ و حاضر پہ نظریں علم کی شام و سحر
عشق کہتا ھے کہ دیکھے جاؤ تا حد نظر
علم کا پیمان ھے ضبط و جبر کے آئین سے
کوئی بھی چارہ نہیں اس کے لئے جز صبر کے
عشق غیرت مند آزادہ منش آتش بپا
ھے تماشائے وجود اس کے لئے جرأت فزا
عشق شکوے اور شکایت سے سدا بیگانہ ھے
گرچہ وہ ذوق آشنائے گریۂ مستانہ ھے
یہ ھمارا دل کہ ھے مجبور کب مجبور ھے
ناوک خوں ریز اس کا کب نگاہ حور ھے
آگ کے شعلے ھمارے اور بھڑکائے فراق
ساز گار آئے ھماری جاں کو نوائے فراق
بے خلش جینے کو جیتے ھیں پہ یہ جینا ھے کیا
ھے یہی جینا کہ جان و دل ھوں آتش زیرپا
اس طرح جینا حقیقت میں ھے تقدیر خودی
اور اس تقدیر سے سامان تعمیر خودی

ذرۂ ناچیز فرط شوق سے ہو رشک مہر
اس کے سینے میں سما جاتے ہیں نو بر نو سپہر
شوق شوریدہ کسی عالم پہ گر شبخون کرے
آنیوں کو جاوداں ہو جانے کا پیغام دے

زندہ رود

گردش تقدیر مرگ و زندگی
گردش تقدیر کیا جانے کوئی!

حلاج

جس کو حاصل عالم تقدیر سے ہو ساز و برگ
لرزہ برا ندام اس کے خوف سے ابلیس و مرگ
اہل ہمت کے لئے ہے جبر ہی دین کی مثال
جبر مردآن الٰہی تاب و طاقت کا کمال
پختہ کاروں کو برابر پختہ کردیتا ہے جبر
اور نا پختہ کے حق میں حلقۂ آغوش قبر
جبر خالد اک جہاں کو درہم و برہم کرے
اور ہمارا جبر اپنی ہی وبال جاں بنے
شیوۂ مردان حق اندیش تسلیم و رضا
کب ضعیفوں کے قد و قامت پہ راس اسکی قبا
تو کہ تجھ پر آشکارا ہے مقام پیر روم
کیا نہیں تجھ پر ہویدا یہ کلام پیر روم

''گبر تھا کوئی بہ دور بایزید
اس کو بولا اک مسلمان سعید
لائے گر ایمان زہے قسمت تری
تا کہ حاصل ہو نجات و سروری
بولا گر ایمان یہی ہے اے مرید
نور قلب شیخ عالم بایزید
مجھ میں تاب دید ہے اسکی کہاں
یہ ورائے جملہ کوشش ہائے جاں'' (رومی)

خاصۂ ما و شما ہے جز امید و بیم کیا
ہر کسی کا بس نہیں اظہار تسلیم و رضا
اے کہ تو کہتا ہے جو ہونا تھا آخر ہو گیا
ساری باتیں حسب آئین ہیں ہوا جو کچھ ہوا
تو نے سمجھے ہی نہیں تقدیر کے معنی کبھی
نے خدا کا نور دیکھا نے تجلائے خودی
مرد مومن شاھد مطلق سے سرگرم نیاز
اور ہم ما و شما ہم سب کا ہے آپس میں ساز

عزم مستحکم ہے اس کا خالق تقدیر حق
اور روز جنگ اس کا تیر یکسر تیر حق

زندہ رود

کم نگاہوں نے کیا شور اور شر
بندۂ حق کو چڑھایا دار پر
تجھ پہ ظاہر راز ہست و بود کا
تجھ سے سرزد کیا ہوئی آخر خطا

حلاج

میرے سینے میں تھی بانگ صور کی شورش نہاں
میں نے دیکھی ساری ملت قبر کی جانب رواں
کہنے کو مومن مگر باخوئے و بوئے کافری
لااله کہتے ہوئے خوکردۂ انکار بھی
کہتے تھے یہ امر حق ہے نقش باطل اور کیا
کیوں کہ آب وگل سے وابستہ ہے اس کا سلسلہ
میں نے روشن کی خود اپنی روح میں نار حیات
اور مردوں کو سکھائے پھر سے اسرار حیات
یہ خودی تھی جس سے قائم دھر کا نقشہ کیا
دلبری کو قاھری کے ساتھ وابستہ کیا

ہر کہیں پیدا و پنہاں ہے خودی کا جلوہ زار
کیسے لائے تاب اس کی دیدۂ نظارہ کار

ہیں اسی کے طور سے کل جلوہ ہائے بےکراں
نور ہی نور اس میں لیکن نار بھی شعلہ زناں

ہر نفس ہر دل کہ ہے وابستۂ دیر کہن
ہے خودی کے باب میں وہ درپردہ سرگرم سخن

جو نہ اپنی آگ سے کسب تجلی کر سکے
خود سے بیگانہ جہان زیست سے رخصت ہوئے

ہند کیا ایران کیا نا محرم اس کے نور سے
نار بھی جو اس کی جانیں کم نظر آئے مجھے

میں نے بتلائے انہیں یہ جلوہ ہائے بے پناہ
بندۂ محرم! بھی تھا بس یہی میرا گناہ

جو کیا تھا میں نے تو نے بھی کیا ہے دیکھ تو
تو نے نازل کر دیا مردوں پہ محشر فتنہ گر!

طاہرہ

ہائے کیا شے ہے گناہ بندۂ صاحب جنوں
کائنات تازہ جس کا حاصل سوز دروں

شوق بے اندازہ کردیتا ہے پردے چاک چاک
تاکہ داغ کہنگی سے دامن ہستی ہو پاک

آخرکار اس کی قسمت میں وہی دار و رسن
زندہ کوئے دوست سے واپس کہاں وہ خستہ تن

جلوے ہی جلوے ہیں اس کے دشت میں کیا شہر میں
تا نہ ہو تجھ کو گماں باقی نہیں وہ دھر میں

چھپ گیا اپنے ضمیر عصر اعماق میں
جانے وہ کیسے سمایا خلوت آفاق میں!

زندہ رود

اے کہ درد جستجو تجھ کو عطا
تیرا یہ شعر، اس کا ہے مفہوم کیا

"قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے"

غالب

نالۂ بے تاب جو سوز جگر سے سر ہوا
ہر کہیں آیا نظر تاثیر کا عالم نیا
قمریاں تاثیر سے اس کی ہوئیں آتش بجاں
بلبلوں میں رنگ ہی رنگ اس تاثر کا نشاں
اس میں موت آسودۂ آغوش لیلائے حیات
اس میں جینا اک نفس اور واں ہمیشہ کی مات
ایک ایسا رنگ جس سے شان نیرنگی عیاں
ادراک ایسا جس کے اندر وضع بیرنگی نہاں
ہاں مقام رنگ و بو ہے یہ مقام رنگ و بو
بہرہ یاب اس سے ہر اک انسان بقدر ہا و ہو
یا سراپا رنگ بن یا اس سے بالا پرفشاں
تا رہے سوز جگر کا کچھ نہ کچھ باقی نشاں

زندہ رود

فاش تر! ہاں فہم میری نارسا

غالب

اس سخن کو فاش تر کہنا خطا

زندہ رود

ہے زبان اہل دل کیا یو نہی لال

غالب

نکتہ کا لب تک رسا ہونا محال

زندہ رود

تو کہ ہے سرتا بہ پا سوز طلب
کیوں نہیں قادر سخن پر اے عجب!

غالب

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا
رحمۃ اللعالمین انتہا

زندہ رود

روئے معنی ہے نہاں مجھ پر ہنوز
آگ سے اپنی عطا کر مجھ کو سوز

غالب

یہ سخن باریک تر از تار شعر   میری صورت واقف اسرار شعر
بزم گو یاروں نے کی آراستہ   کیا ید بیضا سے ان کو واسطہ
جس سخن کے تم ہو خواہاں کافری   کافری بھی ماورائے شاعری

حلاج

جس جگہ دیکھو جہان رنگ و بو   خاک سے پیدا ہو جس کی آرزو
مصطفےٰ کا نور ہے اس کی ضیا   یا ہے وہ گرم تلاش مصطفےٰ

زندہ رود

پوچھتا ہوں گرچہ ہے عین خطا   کیا ہے یہ مستور جوہر ''مصطفےٰ''؟
آدمی یا روح مکنون وجود   گاہ کہ آئے جو بیرون وجود ؟

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

حلاج

اسکے آگے خم ہے گیتی کی جبیں
عبدہ خود کو کہے نفس گزیں

عبدہ ہے ماورائے آگہی
عین جوہر با وجود آدمی

جوہر اس کا نے عرب نے اعجمی
آدمی سے اقدم اور انسان بھی

اس سے تقدیروں کی ہے صورت گری
اس میں ویرانے بھی تعمیر بھی

جاں فزا بھی جاں ستاں بھی عبدہ
شیشہ بھی سنگ گراں بھی عبدہ

عبدہ اور عبد غیر یک دگر
اک سراپا انتظار اک منتظر

عبدہ ہے دہر اور دہر عبدہ
ہم سراپا رنگ وہ بے رنگ و بو

عبدہ با ابتدا لا انتہا
صبح و شام این و آن سے ماورا

کون اس کے راز سے آگاہ یاں
عبدہ جز سر الہ کہاں

لا الہ تلوار اور دم عبدہ
فاش تر۔ ہو سے ہے مدغم عبدہ

عبدہ آفاق کا چند و چگوں
کائنات دہر کا راز دروں

اس کے معنی اور محدود دوبیت
راز دار اس کا مقام ماریت

چھوڑ یہ گفت و شنود اے زندہ‌رود
غوطہ زن ہوجا بہ پہنائے وجود

زندہ رود

میں نہ جانا عشق ہے اسرار کیا
لذت دیدار، ہے دیدار کیا

حلاج

ذوق دید جلوۂ آخر زماں
حکم اس کا دیدہ و دل پر رواں

ہم جیئیں مثل رسول انس و جاں
اس کی صورت تاہوں مقبول جہاں

دیکھیں پھر خود کو بھی دیدار ہے
اپنے دل میں عکس روئے یار ہے

سنت اسکی عبدہ کا نقش ناز
اس کے رازوں میں سے یہ بھی ایک راز

زندہ رود

کیا ہے دیدار خدائے نہ سپہر
تابع فرمان ہیں جس کے ماہ و مہر

حلاج

پہلے حق کو جذب کرلیں جان میں
پھر زمانے بھر میں ارزانی کریں
جب یہ نقش جاں بنے نقش تمام
ہوگا یہ دیدار حق دیدار عام
اے خوشا وہ جس کی اک مستانہ ہو
لائے ہفت افلاک بھر طرف کو
ہائے وہ درویش عرفان آشنا
جس نے ھا و ھو کا نعرہ سر کیا
پھر نہ اٹھی اس کے ہونٹوں سے نوا
لب کشے بند اور دم سادھے رہا
حکم حق کی گرم بازاری نہ کی
نان جو کھایا پہ کراری نہ کی
چھوڑا خیبر، خانقاہ کی راہ لی
راہبی کی اور سلطانی نہ کی
نقش حق سے سب جہاں تیرا شکار
تو سن تقدیر زیر اختیار
عصر حاضر تجھ سے پیکار آزما
نقش حق تیرا طلسم کبریا

اسکے دل پر مرتسم کردے اسے لوح خاطر پر رقم کردے اسے

زندہ رود

دھر میں جو نقش حق پھیلا گئے
کیا خبر کیسے اسے چمکا گئے

حلاج

بعض پھیلائیں بزور دلبری بعض کا ساماں نمود قاہری
حق عیاں ہو دلبری سے بیشتر قاہری سے دلبری ہے معتبر

زندہ رود

ہاں بتا اے صاحب اسرار شرق کیا میان زاھد و عاشق ہے فرق

حلاج

زھد والے اس جہاں میں اجنبی
عشق والے لا مکاں میں اجنبی

زندہ رود

معرفت کی انتہا کیا ہے عدم
نیستی سے زندگی ہو جائے خم

حلاج

شکر کا باعث نہیں بیمائیگی نیستی عرفان سے ہے بیگانگی
کیا فنا میں پائے تو مقصود کو کب عدم پا سکتا ہے موجود کو

زندہ رود

جس نے جتلائی بشر پر برتری درد و مے سے اس کا پیمانہ تہی
مشت خاک اپنی ہے تاگردوں رسا اس بیچارے کی ہوئی وہ آگ کیا

حلاج

وائے حال خواجۂ اہل فراق وہ ازل سے تشنہ لب خونیں ایاق
بسکہ وہ تھا عارف بود و نمود کفر اس کا راز ہستی کی کشود
ہے نہاں گرنے میں اٹھنے کا مزا لطف افزائش ہو نقصان سے دوتا
عشق اسکی آگ میں جلنے کا نام اسکے بن جلنا سراسر سوز خام
عشق و خدمت میں ز بس تھا بیشتر کیا بشر کو اس کے رازوں کی خبر

چاک کر پیراھن تقلید کو
تا کہ سمجھے نکتۂ توحید کو

زندہ رود

اے تجھے اقلیم جاں زیر نگیں ایک دو دم اور میرا ہم نشیں

حلاج

ایک ہی جا پر مقیم جاوداں ہم کہ ہیں سیار اقصائے جہاں
دیکھتے رہنا تڑپنا صبح و شام اڑتے رہنا بے پر و بال اپنا کام

خواجۂ اہل فراق کی نمود

صحبت روشن دلاں کا ہمہمہ یک دم دو دم
اور یہ اک دو دم ہمہ سرمایۂ بود و عدم
عشق کو شوریدہ تر آشفتہ تر کرتا گیا
عقل کو صاحب نظر بینندہ تر کرتا گیا
موندلی تھیں اپنی آنکھیں تا رہے وہ اپنے ہاتھ
آنکھ سے لا کر بساؤں دل میں اس کو دن کہ رات
ناگہاں دیکھا کہ یہ سارا جہاں تاریک ہے
جو بھی کچھ ہے از مکاں تا لامکاں تاریک ہے
اس شب تاریک میں اک شعلہ پیدا ہو گیا
جس سے اک پیر کہن پیکر ہویدا ہو گیا
فرق تا پا اک قبائے سرمئی پہنے ہوئے
تن بدن سے پیچ و خم کھاتے دھوئیں لپٹے ہوئے
بولے رومی دیکھو یہ ہے خواجۂ اہل فراق
یہ سراپا سوز یہ شعلہ منش خونیں ایاق
یہ کہن سال اس قدر کم خندہ و اندک سخن
انکھ اس کی دیکھ لیتی ہے رگ جان در بدن
رند بھی ملا بھی ہے وہ اور حکیم و خرقہ پوش
اور عمل میں زاہد شب زندہ دار و سخت کوش
اس کی فطرت سر بسر بیگانۂ ذوق و جمال
زہد ہے اس کا بھی ترک جمال یزال

توڑنا از بسکہ تھا دشوار پیوند جمال
ترک سجدہ کرکے ممکن کر دیا کار محال
دیکھ تو چشم حقیقت بیں سے اس کے واردات
یہ ھجوم مشکلات اور پھر بھی یہ شان ثبات
مبتلائے رزم خیر و شر برابر آج بھی
سو پیمبر اس نے دیکھے پر ہے کافر آج بھی
تن میں میرے جان تڑپنے لگ گئی اس سوز پر
ھائے وہ ھونٹوں پہ اس کے ھر دم آہ پر شرر
وہ یہ بولا مجھ کو چشم نیم وا سے دیکھ کر
کس نے پایا ھے مرے بن اپنے کرنے کا ثمر
اس طرح مصروف کاروبار میری زندگی
جمعہ کے دن کی فراغت بھی نہ حاصل ھو سکی
نے فرشتہ میری خدمت میں نہ خدمتگار ھی
وحی کی تنزیل بھی بے منت پیغمبری
نے حدیثیں ساتھ لایا ھوں نہ الہامی کتاب
جان شیریں کو نہ پیش آیا فقیہوں کا عذاب
رشتۂ دیں کو فقیہوں نے بٹا جیسے نہ پوچھ
کعبہ کو اینٹیں ھی اینٹیں کردیا کس نے نہ پوچھ
میرے مذھب کی اساس ایسی نہیں ایسی نہیں
مذھب ابلیس میں فرقوں کی ارزانی نہیں
ترک کرڈالا سجود حق کو میں نے بے خبر
اور بنایا اپنے ڈھب کا ارغنون خیر و شر
مت سمجھ مجھ کو ھے انکار وجود کبریا
دیکھ باطن کو مرے اطوار ظاھر پر نہ جا
گو کروں انکار حق یہ ھے سراسر ابلہی
دیکھنے کے بعد لا کہنا دلیل گمرھی
پردۂ انکار میں میرے چھپا اقرار ھے
جو کہا ھے اس سے بہتر ان کہی گفتار ھے

جب سے مجھ کو درد آدم میں کیا ہے حصہ دار
ترک کب میں نے کیا ہے اس کی خاطر قہریار
شعلوں ہی شعلوں سے ہے بھرپور میری کشت زار
جبر سے انسان جا پہنچا بہ اوج اعتبار
میں نے اپنی زشتیٔ باطن فقط کی آشکار
اور عطا تجھ کو کیا یہ ذوق ترک و اختیار
آچھڑا دامن مرا اے آدم اپنی آگ سے
آکے ظالم میری پیچیدہ گرہ کو کھول دے
اس جہان زیست میں باھمت مردانہ جی
اے مرے ہمدرد مجھ سے خوب ہے بیگانہ جی
میرا نیش و نوش اس سے بے نیازانہ گزر
تا نہ ہو فردعمل میری کہیں تاریک تر
اس جہاں میں جا بجا صیاد ہیں نخچیر ہیں
تو سلامت ہے تو ترکش میں ہزاروں تیر ہیں
صاحب پرواز کی افتاد کا خدشہ کہاں
صید زیرک ہو تو صیادوں کے پوبارا کہاں

میں یہ بولا ''چھوڑ یہ سب رسم و آئین فراق
جانتا ہے ابغض الاشیاء عندی الطلاق

بول اٹھا فی الفور ''ساز زندگی سوز فراق
اے خوشا سرجوشی و سرمستیٔ روز فراق
وصل اگر چاھوں تو وہ باقی رہے یاراں نہ میں
لب مرے نا آشنائے آرزوئے وصل ہیں''
وصل کا ذکر آتے ہی وہ خود سے بیگانہ ہوا
اس کے دل میں کرب سوز و درد پھر تازہ ہوا
اک ذرا اپنے دھوئیں میں پیچ کھائے دائیں بائیں
اور پھر گم ہو گیا گاڑھے دھوئیں کی اوٹ میں
دود پیچا پیچ سے اک نالۂ محزوں اٹھا
اے خوشا وہ جاں کہ رنج و درد سے ہو آشنا

نالۂ ابلیس

ذات بے ہمتا خداوند صواب و نا صواب
صحبت آدم نے مجھ کو کر دیا خوار و خراب
یہ کبھی احکام سے میرے ابا کرتا نہیں
خود کو کھو کر خود کو پانے کی ہوا کرتا نہیں
لذت انکار سے دل سر بسر بیگانہ ہے
اف شرار کبریا سے کس قدر بیگانہ ہے
صید خود کہتا ہے ''آؤ آؤ اے صید افگنان''
اس قدر فرماں پذیری الاماں اے الاماں!
گر بھی نخچیر ہے اس سے مجھے آزاد کر
یاد کر ہاں طاعت دیروزہ میری یاد کر
اس کے کارن پست یارب ہمت والا مری
وائے من اے وائے من بیتا مری بیتا مری
اس کی فطرت خام عزم اس کا ضعیف اتنا ضعیف
تاب لا سکتا نہیں اک ضرب کی ایسا حریف
ہے مجھے درکار ایسا بندۂ صاحب نظر
جو کہ ہو ایسے حریف ناتواں سے پختہ تر
لے لے واپس یہ کھلونا خام مٹی کا حقیر
بچپنے کا کھیل کھیلے حیف کیسے مرد پیر
ابن آدم چیز کیا ہے مشت خس ہی مشت خس
مشت خس کے واسطے ہے ایک چنگاری ہی بس
اس جہاں میں گو بجز خاشاک کوئی شے نہ تھی
مجھ کو اتنی آگ دینے کی تھی کیا حاجت پڑی
شیشۂ نازک کو پگھلانا تو ادنیٰ بات ہے
گر کوئی پتھر کو پگھلائے تو پھر کوئی بات ہے
ایسی ناکارہ فتوحات ان سے دل تنگ آ گیا
آیا ہوں بہر مکافات اے وجود کبریا

چاھتا ھوں کوئی مجھ کو میرا انکاری ملے
بے محابا مردحق کی ضربت کاری ملے
میری گردن توڑ دے ایسا کوئی پنجہ فگن
وہ نگہ جس سے سراسیمہ ھو سر تا پا بدن
جو یہ کہہ دے دیکھ ھٹ میری نظر سے دور دور
مول میرا پھوٹی کوڑی بھی نہ ھو اسکے حضور
ھو میرا مد مقابل زندہ مرد حق پرست
شاید اس سے لطف دے جائے مجھے ننگ شکست''

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006